قومی زبان کی ضرورت واہمیت

رضوان اللہ چپلوی

کوئی بھی قوم اس وقت تک ترقی کر ہی نہیں سکتی جب تک وہ اپنے تشخص کو برقرار نہ رکھے۔قومی تشخص کو اجاگر کرنے میں قومی زبان کی بڑی اہمیت ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ جن قوموں نے ترقی اور عروج حاصل کیا، انہوں نے اپنی قومی زبان کو اہمیت دی تھی۔قومی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا تو تعلیم وثقافت عام ہوئی اور انہوں نے ترقی اور عروج کی منزلیں طے کرلیں۔مثال یونانیوں کی ہو، مسلمانوں کی یا انگریزوں کی سب کی ترقی کا راز یہ تھا کہ انہوں نے اپنی قومی زبان ہی کو ذریعہ تعلیم بنایا۔

یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے ہی محمد علی جناحؒ نے فرمایا تھا پاکستان کی قومی زبان ''اردو'' ہوگی۔ پاکستان دوقومی نظریے کی بنا پر آزاد ہوا۔دوقومی نظریہ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اور ہندو دو بالکل ہی مختلف نظریات، عقائد، عبادات، تہذیب وتمدن اور رسوم ورواج کے حامل ہیں۔لہٰذا یہ دو مختلف اقوام ہیں، پس دونوں کا ایک ہی وطن میں خیر سگالی اور رواداری کے ساتھ رہنا ممکن نہیں۔اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے لئے ایک آزاد ملک حاصل کریں۔

اس نظریے کے تحت ملک کے وجود میں آنے کے 56 سال بعد بھی وہی حالت نظر آتی ہے جو انگریزی استحصال کے تیرہ وتاریک دور میں تھی تو ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔کیونکہ آزادی کے 56 سال بعد بھی ہم انگریز کی غلامی سے آزاد نہ ہو سکے۔افسوس کا مقام ہے کہ ملک میں ہر جگہ تعلیمی اداروں اور دفاتر میں انگریزی بولنے اور لکھنے والوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں، زباں میری ہے بات ان کی
انہی کی محفل سنوارتا ہوں، چراغ میری ہے رات ان کی
مرا فقط ہاتھ چل رہا ہے، انہی کا مطلب نکل رہا ہے
انہی کا مضمون انہی کا کاغذ، قلم انہی کا دوات ان کی (اکبر)

آج ہر طالب علم سوال کرتا ہے کہ اگر ہم انگریزوں کے عشق میں اس قدر مبتلا تھے تو ان سے علیحدگی کیوں اختیار کی؟! 40 لاکھ افراد کو شہید کروانے کا یہی مقصد تھا کہ آج بھی ہم ذہنی طور پر انگریزوں کے غلام رہیں؟! ہم اپنے آزاد ملک

کے سکولوں اور کالجوں میں اپنا قومی لباس پہن کر نہ جاسکیں؟! زبان اُن کی، لباس اُن کا اور ہم اپنے وطن میں رہ کر بھی بے وطن رہیں؟! بقول شاعر:

اپنے وطن میں رہ کے جو بے وطن ہے آج
ہر پھول اس کے واسطے رنگیں کفن ہے آج

برصغیر پاک و ہند کے تمام چیدہ اور جہاں دیدہ سکالروں نے فرنگی زبان وثقافت کے غلبے سے قوم کو خبردار کیا۔ اقبالؒ نے برملا انگریزی تہذیب کو للکارا اور مسلمان قوم پر زور دیا کہ ان کے استعماری عزائم کو مٹی میں ملانے کے لیے عملی اقدامات سے ہرگز گریز نہ کریں۔

یورپ میں بہت روشنیِ علم و ادب ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
یہ علم ، یہ حکمت ، یہ تدبر ،یہ حکومت
پیتے ہیں لہو ، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات
بیکاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات   اقبال

ہم نے ایک زندہ قوم کی حیثیت سے اپنے مفکرین کی نصیحتوں پر کان نہ دھرا اور 56 سال تک انگریز بننے کی بھرپور کوشش کرتے رہے۔ اس کوشش میں ہم نہ انگریز بنے نہ صحیح معنوں میں پاکستانی رہے۔ درمیان میں قوم ''دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا'' کے مصداق ہو کر رہ گئی۔ اے قوم! تم نے اپنی حیثیت کو نہ پہچانا تو کیا کوئی غیر تمہاری حیثیت کو تسلیم کر سکتا ہے؟! غور کرو یہ حکمران تو ہمارے گھر کے چراغ تھے، لیکن بدقسمتی سے ان چراغوں سے ہی گھر کو آگ لگ رہی ہے۔ ہمارے اہل دانش ہمارے ہاتھوں میں تلوار تھے، لیکن بقول شاعر: ''قاتل کا کام اپنی تلوار کر گئی۔''

یہ نام نہاد دانشور زہر کو ہمارے حلق میں دوا کہ کر انڈیل رہے ہیں، جس سے ضمیر مردہ ہو چکا ہے، ہوش اڑ چکے ہیں۔ جیسے سب پر جادو کر دیا گیا ہو۔ عورتیں، مرد، امیر، غریب سب اس دوڑ میں شامل ہو گئے ہیں کہ کس طرح انگریز بنیں۔

لباس انگریزی، زبان انگریزی، رسم ورواج بھی انگریزوں جیسا اور عورتیں یہاں تک گمراہی پر اتر آئی ہیں کہ انگریز عورت کی تقلید میں پردے اور حجاب کو چھوڑ کر نیم برہنہ حالت میں بازاروں میں پھرنے کو روشن خیالی اور ترقی سمجھنے لگی ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو انسان سمجھ سکتا ہے کہ انگریزوں کی ترقی کا راز یہ نہیں کہ وہ انگریزی بولتے ہیں، بلکہ انہوں نے اپنی زبان میں علم حاصل کیا ہے۔ ان کی ترقی کا ایک ہی راز ہے کہ انہوں نے محنت کے بل بوتے پر اپنا قومی تشخص اجاگر کیا۔ اس لئے میری قوم کے نوجوانو! تم بھی اپنے آپ کو پہچانو۔ اسی میں ترقی ہے، عروج ہے۔ اگر ہم نے اپنے آپ کو نہ پہچانا تو ''تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں''

اکبر آلہ آبادی نے مزاحیہ اور طنزیہ لہجے میں فرنگی تہذیب پر کاری وار کی:

کون کہتا ہے کہ انگلش کا نہ ہو دل سے مطیع
کون کہتا ہے نہ کر الفتِ ولسن پیدا
کون کہتا ہے تکلف سے نہ کر زیست بسر
کون کہتا ہے نہ کر وضع میں جوبن پیدا
کون کہتا ہے تو علم نہ پڑھ ، عقل نہ سیکھ
کون کہتا ہے نہ کر حسرتِ لندن پیدا
بس یہ کہتا ہوں کہ ملت کے معانی کو نہ بھول
راہِ قومی کا تو خود ہی نہ ہو رہزن پیدا

یعنی اگر ہم قومی وقار، ثقافت، تہذیب اور اقدار کو قربان کیے بغیر انگریزی زبان سیکھیں تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن بالکل انگریزوں کے رنگ میں رنگنے سے گریز کرنا چاہئے اور ملت سے رابطہ استوار رکھنا چاہئے۔